بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الْحَمْدُ لِلهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلاَةُ وَالسَّلاَمُ عَلَى خَاتَمِ الأَنْبِيَاءِ وَالمُرْسَلِين نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِين ، أَمَّا بَعْدُ:

004-13: سورۃالنساء کی مختصر تفسیر (آیات:64-68)

سورۃالنساء کی مختصر تفسیر کا درس جاری ہے اور جہاں پر رُکے تھے وہیں سے درس کا آغاز کرتے ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

﴿وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذۡنِ اللّٰهِ‌ؕ وَلَوۡ اَنَّهُمۡ اِذْ ظَّلَمُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ جَآءُوۡكَ فَاسۡتَغۡفَرُوا اللّٰهَ وَاسۡتَغۡفَرَ لَهُمُ الرَّسُوۡلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيۡمًا ۝٦٤﴾ (النساء:64)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذۡنِ اللّٰهِ‌ؕ﴾: اور ہم نے نہیں بھیجا کوئی رسول مگر اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔اطاعت رسول کا حکم ہے خبر کی صورت میں، یہ جملہ خبریہ ہے: "اور ہم نے نہیں بھیجا کوئی بھی رسول اِلَّا یہ کہ (استثناء ہے) اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی اطاعت اور فرمانبرداری ہو"۔اس میں دو چیزیں یاد رکھیں:

(۱) پہلی چیز یہ ہے لغت کے اعتبار سے، فعل امر کے لیے صرف فعل اُمر کا صیغہ نہیں ہوتا، فعل اُمر تو ہم جانتے ہیں:

﴿وَاَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ﴾ (البقرۃ:43): فعل اُمر ہے کہ نماز قائم کرو تم سب مل کر اور زکوۃ دو اللہ تعالیٰ حکم دے رہاہے، براہ راست حکم ہے صیغۃالأمر اسے کہتے ہیں۔

(۲) دوسری قسم کا جو اُمر ہوتا ہے وہ صیغۃالخبر میں ہوتا ہے، جملہ خبریہ ہوتا ہے انشائیہ (حکم) نہیں ہوتا ہے، خبر ہوتا ہے لیکن اس سے مراد اُمر ہوتا ہے اور اس کی مثال اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بیان کی ہے:

﴿وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذۡنِ اللّٰهِ‌ؕ﴾: يعني واطيعوا الرّسول: حکم ہے کہ نہیں؟

﴿اَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوا الرَّسُوۡلَ﴾: کئی مرتبہ پڑھا ہے ہم نے قرآن مجید میں، وہ فعل اُمر سے ہے۔

اطاعت اتنی اہمیت رکھتی ہے اور اتنی بڑی حیثیت ہے اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم مختلف انداز میں بیان کیا ہے فعل اُمر سے بھی کیا ہے اور اور جملہ خبریہ سے بھی کیا ہے بغیر فعل اُمر ہے، اور اس آیت میں دوسری قسم کی مثال ہے:

﴿وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذۡنِ اللّٰهِ‌ؕ﴾۔

رسول کی اطاعت اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوتی ہے انسان یہ نہ سمجھے کہ میں ہی سب کچھ کرنے والا ہوں میں ہی کروں گا، اگراللہ تعالیٰ کی مدد اور اعانت نہ ہو تواللہ تعالیٰ کا خاص رحم وکرم نہ ہو اللہ تعالیٰ کی توفیق نہ ہو تو ہم اس قابل ہی نہیں ہیں کہ ہم اطاعت کر سکیں، ہم کوشش کرتے ہیں ہمارے ذمے جو ہمیں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے ہم اُس کی طرف قدم بڑھاتے ہیں اللہ تعالیٰ سے مدد اور اعانت کی دعا کرتے ہوئے۔

ہم کیوں کہتے ہیں "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ"؟ تاکہ انسان یہ نہ سمجھے کہ خود ہی وہ سب کچھ کرنے والا ہے تکبر کا شکار نہ ہو اپنے اعمال کے دھوکے میں نہ آجائے کہ میں کچھ کرنے والا ہوں۔

اور دوسری بات دوسری معنی "اللہ تعالیٰ کے حکم سے" کہ اللہ تعالیٰ نے ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت رسول کی اطاعت کا حکم دیا ہے؛ ہر رسول کی اطاعت اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اگر اللہ تعالیٰ کا حکم نہ ہوتا تو رسول کی اطاعت جائز ہوتی؟ نہ ہوتی۔

تو اللہ تعالیٰ کے حکم کے یہی دونوں معنی ہیں اور یہی دونوں معنی مراد ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہی:

(۱) پہلے تو اللہ تعالیٰ نے رسول کو چنا ہے انتخاب کیا ہے: ﴿الْمُصْطَفَيْنَ الْأَخْيَارِ﴾ (ص:47): سب سے بہترین لوگ ہیں رُسل جو ہیں (علیہم الصلاۃ والسلام) اللہ تعالیٰ نے اُن کو چنا ہے پھر اپنی خاص رسالت خاص پیغام اُن کو دیا ہے تاکہ لوگوں تک پہنچادیں۔

تمام انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام اپنی قوموں کے لیے اور خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام ثقلین (جن وانس) کے لیے تمام بشریت کے لیے، تو پیغام پہنچایا ہے اللہ تعالیٰ کے حکم سے۔

(۲) اور اطاعت بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہی ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ﴾: اور یہ لوگ جنہوں نے اپنی جانوں پر نفسوں پر ظلم کیا ہے۔

ظلم انسان کیسے کرتا ہے اپنی جان اور نفس پر؟ گناہ کا ارتکاب کر کے رسول کی اطاعت کی نافرمانی ہوگئی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوگئی، اطاعت میں کمی ہو گئی ہے اطاعت میں کوتاہی ہوگئی ہے اور نافرمانی ہوگئی ہے اور اس سے ظلم ہو گیا ہے۔

ظلم کی تین قسمیں ہیں:

(۱) سب سے بدترین ظلم شرک ہے: ﴿اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ﴾ (لقمان:13): اور شرک اللہ تعالیٰ معاف نہیں کرتا جیسا کہ گزر چکا ہے پچھلے آیات میں اِلّا یہ کہ مشرک اور کافر توبہ کر لے، اگر کسی کا خاتمہ شرک پر ہوا تو اس کی کوئی معافی نہیں ہے۔

(۲) دوسری قسم کا ظلم ہے اپنے نفس پر ظلم کرنا گناہوں کا ارتکاب کرنے سے اور یہی اس آیت میں اس کا ذکر ہے: ﴿اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ﴾۔

(۳) تیسری قسم کا ظلم جو ہے وہ دوسروں پر ظلم اور زیادتی کرنا۔

اور یہاں پر جب بھی کوئی شخص کسی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے: ﴿اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ﴾: اس میں عام ہے تینوں شامل ہیں اور خصوص طور پر اپنے نفس پر ظلم کرنا کیونکہ شرک سے بھی انسان اپنے نفس پر ظلم کرتا ہے نا، دوسروں پر زیادتی کرنا ظلم تو اپنے نفس پر ہی ہوتا ہے نا، ذمہ دار تو انسان خود ہے نا، حساب تو اس نے خود ہی دینا ہے نا۔

اچھا ظلم ہو گیا ہے: ﴿إِذْ ظَّلَمُوٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ﴾: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ کی طرف آئے ہیں تو کس لیے آئے ہیں؟

﴿فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ﴾: اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کی ہے مغفرت کی دعا کی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے گناہوں کو بخش دے، نفس پر ظلم ہوا ہے اے اللہ! ہمیں معاف کر دے ہماری مغفرت کر دے: "استغفر اللہ نستغفر اللہ"۔ اس کے ساتھ: ﴿وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ﴾: اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اُن کے لیے دعائے مغفرت اللہ تعالیٰ سے کی ہے۔

﴿وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ﴾: اور اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اللہ تعالیٰ سے اُن کے لیے مغفرت کی دعا کی ہے اس میں کمال دیکھا ہے آپ نے؟! اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات میں جب کسی صحابی سے کوئی گناہ ہوتا کیونکہ اُس زمانے میں صحابہ ہی تھے نا (اہل ایمان کون تھے؟ صحابہ تھے، کوئی اور تھا تابعین وغیرہ کوئی تھا؟ کوئی نہیں تھا، یا مومن تھے یا کافر تھے یا پھر مدینہ میں تیسری قسم کے لوگ منافق بھی آئے) تو جو مومن ہیں جن کے لیے یہ خطاب ہے:

﴿إِذْ ظَّلَمُوٓا اَنْفُسَهُمْ﴾: نفس پر ظلم کرتے ہیں: ﴿جَآءُوْكَ﴾: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف آتے ہیں۔

اور اس سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات ہے وفات کے بعد نہیں۔

دلیل کیا ہے کہ اس کا جو ہے نا صرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات کی حد تک ہے؟ ﴿جَآءُوْكَ﴾: قبر کی طرف تو جا سکتے ہیں نہیں جا سکتے؟! اسی آیت میں: ﴿وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ﴾: ﴿وَ﴾ ہے، حرف عطف واؤ ہے "اور اللہ تعالیٰ کے رسول نے بھی اُن کے لیے دعائے مغفرت کی ہے"۔ وفات کے بعد دعائے مغفرت ہو سکتی ہے؟ نہیں ہو سکتی؛ تو اس کی واضح دلیل ہے اسی آیت میں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات کا ذکر ہے۔

﴿فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ﴾: تو پھر جب "استغفر اللہ" اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کی ہے تو دو چیزیں یاد رکھیں:

(۱) ایک تو مغفرت کس سے طلب کی ہے رسول سے طلب کی ہے؟ اللہ تعالیٰ سے طلب کی ہے۔

کیونکہ حق کس کا ہے؟ اللہ تعالیٰ کا ہے۔

رسول سے مغفرت طلب کرنا جائز ہے؟ شرک ہے جائز نہیں ہے کیونکہ طلب کرنا دعا ہے اور دعا عبادت ہے اللہ تعالیٰ کے لیے صرف کرنا توحید ہے غیر اللہ کے لیے صرف کرنا شرک ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حق دے دیا: ﴿فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ﴾۔

(۲) تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کیوں آئے گھر میں بیٹھ کر استغفار کر لیتے نا نہیں کر سکتے؟! کر سکتے ہیں۔

ایک ہے اچھا عمل ایک ہے اُس سے اچھا عمل ایک ہے سب سے اچھا عمل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات میں زندگی میں اچھا عمل کیا ہے کہ اگر کسی سے گناہ ہوتا گھر میں بیٹھ کر استغفار کر لے یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر خود بھی استغفار کرے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اس کے لیے دعائے مغفرت کریں کیا بہتر ہے؟ کیا خیال ہے افضل ہے کہ نہیں؟

تواس لیے افضلیت کرنے کااللہ تعالیٰ نے حکم دیاہے کہ یہ افضلیت کا راستہ یہ تمہارے لیے خاص ہے صحابہ کیونکہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وفات پاجائیں گے تو پھر باقی آنے والے اس خیر سے محروم ہو جائیں گے۔ایک چیز باقی رہے گی کہ استغفار تا قیامت رہے گا جو مرتے دم تک رہتا ہے ناتوانسان توبہ کر سکتا ہے،جب روح حلق تک پہنچتی ہے یاسورج مغرب سے نکلتا ہے تب دروازہ بند ہو جاتا ہے توبہ استغفار کا۔

جب تک یہ سانسیں جاری ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد مغفرت انسان کرتا رہے اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے لیکن ایک خصوصیت ہے اُس زمانے کی اور اُن لوگوں کی جو اُس زمانے میں رہتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کہ اس خیر سے محروم نہ کیا جائے اُن کو اصل فضیلت یہ ہے:﴿وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ﴾۔

کتنے کمال کے لوگ ہیں جن کے لیے اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن کا نام لے کر کہ اے اللہ تعالیٰ! فلاں کو مغفرت کر دے فلاں کو بخش دے!گناہ کر کے آئے ہیں توبہ بھی کی ہے ربّ سے خود بھی استغفار کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کے لیے خصوصی طور پر اللہ تعالیٰ سے دعا کر کے اُن کے لیے دعائے مغفرت کی ہے کمال ہے کہ نہیں؟!اصل یہ پیغام ہے۔

اگر ایسا کرتے تو کیا ہوتا؟﴿لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۝٦٤﴾:تو وہ ضرور اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان پاتے۔

﴿تَوَّابًا﴾:بار بار توبہ قبول کرنے والا۔﴿رَّحِيْمًا﴾:خوب مہربان خوب رحمت کرنے والا،خوب رحم کرنے والا۔

اَرحم الراحمین ہے سبحانہ وتعالیٰ توبہ کو مشروع بھی کیا ہے اور پھر اس کی اجازت بھی دی ہے اُس کی توفیق بھی دی ہے اور قبول بھی کیا ہے ہم نے کیا کیا ہے ؟ صرف توبہ کی ہے۔توبہ اگر جائز نہ ہوتی تو جرأت ہوتی توبہ کرنے کی کیا خیال ہے ؟!گناہ ہو جاتا پکڑ ہو جاتی بات ہی ختم تھی لیکن نہیں!اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق سے پہلے ابھی آدم علیہ الصلاۃ والسلام پیدا نہیں ہوئے توبہ کا دروازہ پیدا کیا ہے مغرب کی طرف،دروازہ پہلے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے انسان کو بعد میں پیدا کیا ہے اَرحم الراحمین کی رحمت دیکھیں!

کیوں کہتے ہیں الرحمٰن الرحیم؟سورۃالفاتحہ میں اللہ تعالیٰ کی جو صفات ہیں جو تعارف اللہ تعالیٰ نے خود اپنا کراویا ہے قرآن مجید میں سورۃالفاتحہ میں وہ کیا ہے؟﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝١﴾ ربّ العالمین کی سب سے پہلی صفت کیا ہے؟﴿الرَّحْمٰنِ﴾ (وسیع رحمت والا) ﴿الرَّحِيْمِ ۝٢﴾ (خاص رحمت والا مومنوں کے لیے)(الفاتحہ:1-2)۔ ﴿الرَّحْمٰنِ﴾ ہے اس رحمٰن کی رحمت سے جانور بھی فائدہ اٹھا رہے ہیں کافر بھی فائدہ اٹھا رہے ہیں سب سانس لے رہے ہیں سب کھا پی رہے ہیں سب زندہ ہیں﴿الرَّحْمٰنِ﴾ کی رحمت ہے نا اور﴿الرَّحِيْمِ﴾؟دونوں کا مادّہ ایک ہے روٹ(Root)ایک ہی ہے "راء،حاء،میم"(رحمت)۔

رحمٰن میں صیغہ مبالغہ ہے رحیم میں بھی صیغہ مبالغہ ہے،رحمٰن کی رحمت رحیم سے بہت زیادہ ہے کیونکہ جو فعل ہے فعلان اور فعیل جو ہے ان میں فعلان میں زیادہ صفت مراد ہے معنی میں اور فعیل میں کم ہے (یہ وزن کا صیغہ جو بتا رہا ہوں میں)۔

تو رحمٰن (وسیع رحمت والا) اور رحیم (خاص رحمت والا مومنوں کے لیے جو خاص ہے)۔

تو﴿تَوَّابًا رَّحِيمًا﴾: توبہ خاص لوگ کرتے ہیں یا عام لوگ کرتے ہیں؟اس لیے رحیم بھی ہے؛توّاب بھی ہے رحیم بھی ہے اسی رحمت میں سے اللہ تعالیٰ نے توبہ کو مشروع کیا ہے اور توبہ کی توفیق بھی دی ہے اور انسان نے توبہ بھی کی ہے،رحمت نہ ہوتی تو توبہ کہاں سے کرتے اس لیے دونوں کو ساتھ جوڑ دیا ہے۔

اگلا پیغام اس سے بڑھ کر اور اس سے زیادہ بڑی خوشخبری ہے اور اتنی زیادہ خطرناک ہے اگر عمل نہ کیا جائے یاد رکھیں! خوشخبری ہے نا کہ دعائے مغفرت کروا اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف جاؤ خدمت میں حاضر ہو اللہ تعالیٰ سے مغفرت کو طلب کرو اللہ تعالیٰ کا حق اللہ تعالیٰ کو دو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حق کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دعائے مغفرت کراؤ،اور اس میں یہ چیز یاد رکھیں کہ توسل شرعی بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعا کرتے ہیں کسی مومن کے لیے،اب اگلا پیغام جو ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ (النساء:65)

(اے میرے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! تیرے ربّ کی قسم! وہ مومن نہ ہوں گے)

مومنین کے ایمان کی نفی کی قسم اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی کھائی ہے ربوبیت کے مقام سے عام بات نہیں ہے! کس کا ربّ؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ربّ، قسم دیکھیں کتنی بڑی قسم ہے! واللہ! ﴿وَرَبِّكَ﴾ کافی تھا صیغہ کیا ہے؟ نفی کا صیغہ: ﴿فَلَا وَرَبِّكَ﴾۔

﴿لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ①﴾ (القیامۃ:1): نفی ہے قسم کی یا قسم ہے؟ قسم ہے۔تو﴿لَآ﴾ کیوں ہے؟مزید تاکید کے لیے۔

ایک حرف زیادہ تاکید زیادہ عظمت ہے قرآن مجید کا خوبصورت انداز بیان ہے،عربی(عرب لوگ جو ہیں)وہ خوب سمجھتے ہیں کہ جب ایک حرف بڑھا دیا جاتا ہے یا ایک کم کیا جاتا ہے اس کے پیچھے ایک راز ہوتا ہے ایسے ہی نہیں ہے۔

تو﴿وَرَبِّكَ﴾ (تیرے ربّ کی قسم!) کی زیادہ تاکید ﴿فَلَا وَرَبِّكَ﴾ سے ہے "لَا" کے حرف سے ہے کیونکہ آگے نفی ہو رہی ہے تو "لَا" سے شروع کیا ہے کہ یہ نہیں ہونا چاہیے ایمان کو مضبوط ہونا چاہیے ایمان کو کامل ہونا چاہیے،اب ایمان کی نفی (ختم) مکمل طور پر بھی ہو سکتی ہے اور اس کا کچھ حصہ بھی جا سکتا ہے اتنی خطرناک بات ہے!

تو مومن جو ہے جب یہ آیت سنتا ہے نا تو یوں ایمان جھنجھوڑ دیتا ہے ان کو،جھٹکا کھاتا ہے کہ یہ کیا ہونے والا ہے یہ کون سی بات ہو رہی ہے؟!

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾: مسئلہ کیا ہے؟

﴿حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ﴾: جب تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو منصف نہ بنائیں ہر اُس جھگڑے میں جو اُن کے بیچ میں ہوتا ہے۔شِجار،شَجَرَ جھگڑے کو کہتے ہیں،لڑائی ہو گئی جھگڑا ہو گیا اور فیصلے کے لیے اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فیصلہ کیا ہے یہ ایک بات ہے۔فیصلہ کون کرے گا؟اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فیصلہ کر دیا ہے حیات میں ہیں تو آپ صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم خود فیصلہ کرتے ہیں، وفات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت موجود ہے وحی موجود ہے قرآن اور سنت اور سنت خاص طور پر موجود ہے۔

﴿ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ﴾: فیصلہ سن لیا اب کرنا کیا ہے ری ایکشن (Reaction) کیا ہونا چاہیے اہل ایمان کا مومن کا ورنہ پھر ایمان کا خاتمہ ہونے والا ہے یا کم یا ہمیشہ کے لیے ختم بڑی خطرناک بات ہے! ابھی بتاتا ہوں فرق کیا ہے۔

ایک تو فیصلہ قبول کر لیا، دوسرا: ﴿ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ﴾: پھر اپنے نفس میں اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں آپ کے فیصلے سے۔ فیصلہ سن لیا اور ظاہر ہے کہ جب فیصلہ ہوتا ہے جھگڑے میں تو ایک کے حق میں ہوتا ہے دوسرے کے حق میں نہیں ہوتا نا ایسا ہی ہوتا ہے نا؟ اب جس کے حق میں فیصلہ ہوا ہے وہ خوش ہے اور جس کے خلاف فیصلہ ہوا ہے تو خوش نہیں ہے نا؟ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فیصلہ کیا تو کیا ہونا چاہیے راضی ہونا چاہیے کہ نہیں؟ کتنا فیصلے کو قبول کرنا چاہیے بات یہ ہے ورنہ ایمان کی نفی ہے سب سے پہلے اور ربّ نے قسم اپنی ذات کی کھائی ہے کہ ایمان کی نفی ہو گی اگر فیصلے کو قبول نہیں کیا تو!

ذرا کمال دیکھیں کہ آپ سب سے پہلے فیصلے کی بات ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فیصلہ کر لیا ہے:

﴿ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ﴾: جس کے خلاف فیصلہ ہوا ایک تو چلو قبول تو کر لیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فیصلہ ہے کچھ رنج باقی ہے نا؟! نہیں رنج بھی نہیں ہونا چاہیے۔ ظاہراً و باطناً فیصلہ قبول کیسے کیا جائے گا؟ کہ ظاہر اور باطن کا یہاں پر ذکر ہے تو ظاہراً تو انسان خاموش ہے نا اندر کیا چل رہا ہے پتہ ہے؟ تنگی چہرے پر ہوتی ہے یا تنگی دل میں ہوتی ہے سینے میں ہوتی؟ تو یہ کافی نہیں ہے فیصلہ قبول کرنا جب تک کہ سینے میں بھی کشادگی نہ ہو۔

﴿ثُمَّ لَا يَجِدُوْا﴾: ثُمَّ کیوں ہے؟ کیونکہ تھوڑا وقت لگتا ہے (ایمان مضبوط ہے تو فوراً اور تھوڑا کم ہے تو تھوڑا سا سنبھلنا پڑے گا اور کوئی راستہ نہیں ہے)؛ جب فیصلہ آ گیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تو سینے میں تنگی ہونی نہیں چاہیے۔

﴿ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ﴾، آگے: ﴿وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝﴾: اور اُسے خوشی سے پوری طرح تسلیم کر لیں (عام ترجمے میں)۔

﴿وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾: "سَلَّمَا يُسَلِّمُوا تَسلِيمًا": فعل کے ساتھ اس کا جو سب سے بہترین صیغہ ہے کون سا ہے؟ کہ مصدر کو بیان کیا اور مصدر میں معنی کے اعتبار سے سب سے بلند ترین معنی ہوتا ہے اس سے اوپر کوئی معنی نہیں ہے اس کا بنتا، یعنی اگر اس کے کوئی درجات ہیں نا تو سب سے بلند درجے کی طرف جانا پڑے گا پھر مصدر کے معنی پر آپ فائز ہو سکتے ہو ورنہ نہیں۔

اور تسلیم کیسے کریں گے؟ عام لفظوں میں جیسا کہ تسلیم کرنے کا حق ہے۔ تسلیم کرنے کا حق کیا ہوتا ہے ظاہراً و باطناً؟ ظاہراً خاموشی اختیار کر کے قبول کر کے، قبول میں خاموشی بھی ہوتی ہے اور ہاں بھی ہوتی ہے کہ جی ہاں میں نے قبول کر لیا ہے، یا خاموشی بھی قبول ہی ہوتی ہے بغیر چہرے میں تبدیلی کے کہ چہرے سے رونق نہیں جانی چاہیے؛ چہرے پر رونق کب باقی رہے گی؟ جب دل میں تنگی نہیں ہو گی۔

﴿وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ کا حق تب ادا ہوتا ہے جب ظاہر اور باطن دونوں پر عمل کر کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلے کو قبول کیا جاتا ہے واضح ہے؟ صحیح بخاری میں ایک قصہ ہے جو اس آیت کے سبب نزول میں بیان ہوا ہے، اس قصے سے پہلے ایک قاعدہ یاد رکھیں قاعدہ یہ ہے کہ جو احکام ہیں شریعت کے وہ عام ہیں جب تک کہ خصوصیت کی کوئی دلیل نہ ہو یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہر فیصلہ شامل ہے چاہے یہ قصہ تھا یا نہیں تھا، قرآن مجید کے احکام جو ہیں اکثر تو احکام صحابہ پر نازل ہوئے ہیں نا جو اُس زمانے میں رہتے تھے۔

"ظہار کے احکام": ظہار کہ کسی نے بیوی کو یہ کہہ دیا کہ تم میرے لیے میری ماں کی مانند ہو تم میری ماں ہو یا ماں کی پیٹھ کے برابر ہو اسے کیا کہتے ہیں شرعاً؟ ظہار۔ ایک صحابیہ کے گھر میں قصہ ہوا صحابیہ تھیں سیدہ خولہ بنت ثعلبہ یہ تھیں اور ان کے خاوند تھے اُوس بن صامت، آپس میں جھگڑا ہوا جو بھی ہوا تو خاوند نے بیوی کو کہہ دیا کہ تم میری ماں کی مانند ہو تو یہ اُن کے لیے تھا یا تا قیامت حکم ہے؟ تا قیامت ہے۔

اس لیے سبب نزول ہو سکتا ہے کہ خاص قصے کے لیے ہو خاص وجہ کے لیے ہو لیکن جو اصل حکم ہے عام ہے سب کے لیے ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فیصلہ جو ہے وہ اس قصے میں بھی ہے آیت نازل ہوئی اور حکم عام ہے تا قیامت سب کے لیے تا کہ یہ نہ سمجھیں کہ یہ تو اُن کے لیے تھا ہم تو نہیں ہیں، نہیں! ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾: یہ جو وعید ہے سب کے لیے ہے اور تا قیامت ہے اور سخت وعید ہے واللہ!

اس قصے سے پہلے یہ بات رہ نہ جائے میں بھول نہ جاؤں کہ ایمان کی نفی جو ہے:

(۱) یا تو مکمل ایمان خاتمہ اگر فیصلے کو جان بوجھ کر اسے لازم نہ سمجھتے ہوئے قبول نہیں کیا ہے کہ بھئی لازمی نہیں ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فیصلہ جو ہے یہ جیسے عام انسان کا فیصلہ ہے میں مانتا ہی نہیں ہوں، کفر ہے۔

ایمان کی نفی کفر تک لے گئی ہے یہ نفی الحقیقۃ ہے ختم! کفر ہے نا نفی الکمال تو نہیں ہے۔

(۲) نفی الکمال دوسرا ہے کہ مان لیا فیصلہ صحیح ہے یہ میرے خلاف ہے تو اس پر عمل نہیں کرتا میں، فیصلہ مان لیا لیکن شہوت کی وجہ سے یا کسی دنیاوی فائدے کی وجہ سے فیصلے کو قبول نہ کرنا یہ ایمان کی کمی ہے ایمان کا خاتمہ نہیں ہے۔

یہ نفی الکمال ہے پہلے نفی الصحۃ فی الحقیقۃ ہے دونوں میں فرق یہ ہے۔

اب قصہ سنیں صحیح بخاری میں قصہ ہے سیدنا زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو ہیں کون ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی پھوپھی کے بیٹے ہیں، سیدنا زبیر بن العوام عشرۃ مبشرۃ میں سے ہیں۔ ان کے ایک پڑوسی تھے کیونکہ اُن کا بھی چھوٹا سا باغ تھا گھر کے قریب اور سیدنا زبیر کا بھی تھا تو پانی پر جھگڑا ہوا، انصاری صحابی جو تھے وہ سیدنا زبیر کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فیصلہ کیا کہ اے زبیر! تو پہلے پانی دے دیا کر اپنا جو باغ ہے آپ کا اور پھر پانی جو ہے پڑوسی تک جانے دیں۔

فیصلہ ہو گیا تو اس انصاری نے کہا کہ آپ کی پھوپھی کا بیٹا ہے اس لیے آپ نے یہ فیصلہ کیا ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرے میں ناگواری نظر آئی: "تَغَيَّرَ وَجْهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" حدیث کے الفاظ ہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زبیر سے کہا کہ زبیر! پانی اپنے باغ تک رکھو یہاں تک کہ دیوار تک پہنچ جائے (یعنی بہت زیادہ پانی دے دو) پھر اس کو دے دینا، یہ آیت نازل ہوئی اُس انصاری کے لیے، سیدنا زبیر فرماتے ہیں کہ میں سمجھتا ہوں یہ آیت میرے لیے یعنی اس قصے کے لیے نازل ہوئی ہے۔

کیونکہ اسے فیصلہ قبول نہیں تھا بعض لوگ کہتے ہیں کہ کیسا صحابی تھا؟! بھئی تربیت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کی ہے، دیکھیں ایک شخص کی ہمیشہ ابتداء اور انتہا ہوتی ہے۔

ابتداء کی کمزوری ابتداء کا نقص اور انتہا کا کمال ہر انسان کی زندگی میں ہوتا ہے طلب علم ہم شروع میں ایسے تھے کیا؟! لڑکپن تھا علم حاصل کیا آہستہ آہستہ تربیت ہوئی آہستہ آہستہ پھر آگے بڑھے ابھی بھی ہم کمزور ہیں ابھی بھی ہم فقیر اور مسکین اور حقیر ہیں ابھی بھی ہم سے کوتاہیاں ہوتی ہیں لیکن جو پہلے انسان کی زندگی میں دیکھیں آپ "نقص اور کمال" ابتداء کا نقص نہ دیکھیں آپ انتہا کے کمال کو دیکھیں۔

توصحابہ کی تربیت کس نے کی؟ سیدنا عکرمہ بن ابی جہل سیدنا خالد بن ولید شروع میں کیا تھے؟ مشرکین تھے جنگ اُحد میں سب سے زیادہ نقصان ان دونوں نے پہنچایا ہے لیکن کمال کیا ہے آخر میں انتہا کیا تھی؟ تو اس لیے وہ اگرچہ انصاری صحابی ہیں ان سے غلطی ہو گئی ہے اور یہ آیت ہے تربیت کے لیے دیکھ: ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾: ڈر گئے کہ ارے یہ کیا ہو گیا اتنی بڑی غلطی ہم سے ہو گئی! اور کیونکہ اب کہاں تک بات جائے گی چھوٹی سی بس اتنا تک فرمایا اتنا تک کہا جبکہ نہیں کہنا چاہیے تادیب ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کہ اونچی آواز نہیں کر سکتے، سورۃ الحجرات کی آیت دیکھی ہے کتنی سخت وعید ہے کہ اونچی آواز میں آپ کے عمل اکارت ہو جائیں گے آپ کو شعور تک نہیں ہوگا، خبردار! (الحجرات:2)؛ یہاں پر بھی جب یہ کہہ رہے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی کا بیٹا ہے یعنی اس لیے آپ کو آگے کیا ہے!

ہوا کیا تھا کہ پہلے جو باغ تھا جہاں سے پانی کا سورس (Source) ہے پہلا باغ سیدنا زبیر کا دوسرا باغ اُن کا تھا تو ترتیب کیا ہونی چاہیے تھی؟ ظاہر ہے اب اوپر سے کیسے ہو سکتا ہے تو یہی کامن سینس (Common sense) ہے کہ یہیں سے شروع ہونا تھا لیکن ایک غصہ کہ جب آپ کا جھگڑا ہوتا ہے نا کسی کا پڑوسی کا پڑوسی سے اسی لیے پڑوسی کے حقوق کی کیوں زیادہ تر احادیث موجود ہیں یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ جبریل علیہ الصلاۃ والسلام اتنا زیادہ میرے پاس آئے پڑوسی کا حکم دیتے ہوئے تو میں نے یہ سمجھا کہ عنقریب اسے بھی وارث بنادیں گے۔

ارے پڑوسی وارث بنا نہیں ہے لیکن اتنے زیادہ احکام ہیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک پڑوسی کی اتنی قدر و قیمت اور حیثیت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں جبریل علیہ الصلاۃ والسلام بار بار مجھے پڑوسی کے تعلق سے کوئی نہ کوئی خبر دیتے اور پیغام دیتے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہاں تک میں نے یہ سمجھا کہ عنقریب یہ پیغام بھی آئے گا اللہ تعالیٰ کی طرف سے کہ پڑوسی بھی جو ہے وہ وارث بن جائے گا!

اتنے حقوق ہیں پڑوسیوں کے تو جھگڑے بھی بعض اوقات ہو جاتے ہیں اب کیونکہ نئی بات تھی ابتداء تھی سیدنا زبیر مہاجرین میں سے تھے آپ کو پتہ ہے کہ ہجرت کر کے آئے ہیں اور یہ انصاری انصار میں سے تو ابھی تعارف باقی ہے بہت سی چیزیں باقی ہیں جہاں پر کمال کی بات تھی وہاں پر کچھ بشریت کا تقاضہ ہو گیا جھگڑا ہو گیا اب فیصلہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنادیا اب اس جھگڑے میں تھوڑی سی جھگڑے کی کوئی رنجش باقی تھی آپس میں تو فیصلے کے بعد زبان سے یہ غلط الفاظ آگئے جو نہیں کہنے چاہیے تھے ہو گئے تو جواب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں دیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فیصلہ سنادیا کہ ٹھیک ہے ایسی بات ہے تو پھر پہلے یہی ترتیب ہے نا انصاف یہی ہے نا کہ اپنا پورا باغ جو ہے نا تمہارا وہ جب بھر جائے اور پانی دیوار تک پہنچ جائے پھر اس کو دینا۔

یعنی پانی کیسے بھرتا ہے پتہ ہے؟ کہ زمین ہوتی ہے ناجب ایک جگہ سیر اب ہو جاتی ہے کب ہو گی؟ اگر یہاں پر راستہ کھلا ہو دوسری زمین کا تو یہ باغ پورا سیر اب نہیں ہو سکتا ناتو پہلا کب سیر اب ہو گا مکمل طور پر؟ جب اسے بند کر دیا جائے گا۔

تواس شخص نے انصاری نے کیا شکایت لگائی یا کیا جھگڑا تھا؟ بھئی آپ یہاں پر کیوں بند کر دیتے ہو آپ کھولو تا کہ میرے باغ میں بھی پانی آئے۔

توانہوں نے کیا کہا؟ کہ جب میرا باغ پورا ہو گا تب وہ آپ کی طرف پہنچے گا ناجب میرا پورا نہیں ہوا تو پھر آدھا تو ویسے ہی رہ جائے گا پانی کے بغیر مجھے نقصان ہو گا نقصان آپ کا بھی ہو گا تواس لیے اگر دونوں کا فائدہ ہو تو ترتیب کیا ہونی چاہیے؟ پہلے میرا باغ مکمل ہو جائے پھر آپ کا باغ ہو گا۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا فیصلہ کیا؟ یہی فیصلہ تو کیا، کوئی تصور نہیں کر سکتے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (نعوذ باللہ) رشتے کی وجہ سے یا کسی وجہ سے بھی کسی پر ظلم کریں گے ناممکن ہے! کیوں وجہ کیا ہے؟ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معصوم ہیں وحی نازل ہوتی ہے کبھی خطاء کی گنجائش ہی نہیں ہے اور کبھی ایسا فیصلہ نہیں کریں گے جس میں ظلم یا زیادتی ہو کسی پر (نعوذ باللہ)۔

الغرض تو کیوں فرمایا کہ دیوار تک پہنچے پانی؟ اس لیے کہ یہی انصاف کا تقاضہ ہے کہ پورا باغ آخر تک بھر جائے (تا کہ اسے بھی سبق مل جائے اب جس نے یہ اعتراض کیا ہے ہو نا تو یہ چاہیے تھا پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فیصلہ کیا کہ جب آپ کا باغ مکمل ہو جائے پھر اس کو دے دیں)، تخفیف تھی نااس کے لیے بھی آسانی تھی تا کہ وہ بھی نہ سمجھے کیونکہ شیطان خون میں دوڑتا ہے کہ دیکھیں وہ رشتے دار ہے اس لیے کہہ رہے ہیں، جب وہ بات زبان سے کہہ دی اُس نے ناب یہ انصاف کا تقاضہ ٹھیک ہے۔

انصاف پہلے بھی ہے یہ نہیں کہ ناانصافی ہے سیدنا زبیر کے ساتھ ناانصافی نہیں تھی، وہ انصاف تھا کہ باغ پورا ہو گیا اس کو سبق سکھانے کے لیے کہ جب تک دیوار تک پانی پہنچ جاتا ہے نایعنی مکمل طور پر آخر تک جو باغ کے پیچھے دیوار ہے وہاں تک پانی پہنچے گا ناتب اس کو کھول دینا پانی۔

جواب اس ناگواری کا یاان الفاظ کا: ﴿فَلَا وَرَبِّكَ﴾: تاقیامت ہم پڑھتے رہیں گے اور کئی مرتبہ ہم نے اس آیت کو پڑھا ہے، یہ فیصلہ تھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم موجود نہیں ہیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دین قرآن اور سنت میں موجود ہے فیصلہ قرآن وسنت میں آگیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فیصلہ کر دیا ہے ایک ہی راستہ ہے "آمناوصدقنا"۔

عجب بات ہے وہ لوگ بہت بڑے خطرے میں جو لوگ صحیح حدیث کو جاننے کے بعد سنت کو صحیح جاننے کے بعد اسے چھوڑ دیتے ہیں اور کسی امام کے قول کو لے لیتے ہیں! واللہ بڑے خطرے میں ہیں! ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ﴾۔

پہلے بھی گزر چکا ہے کہ جب تنازع ہو جائے:

﴿فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ﴾ (النساء:59): ایسا تھانا، تو مزید اس کا یہاں پر اب یہ پیغام آیا ہے کہ اگر کوئی جھگڑا ہو جائے کسی بات پر بھی تو کیا کرنا ہے؟ فیصلہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کرنا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود فیصلہ کرتے ہیں اور وفات کے بعد قرآن اور سنت موجود ہے وحی موجود ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کی طرف واپس لوٹ کر اپنے اس نزاع کو جھگڑے کو ختم کرنا ہے۔

آج ہم کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کہاں پر ہے؟ عرش پر ہے۔

جب ایک صحابی نے یہ تحقیق کرنا چاہی ایک لونڈی کو لے کر گئے چھوٹی کمسن کو کہ یہ مومن ہے تو میں آزاد کروں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا امتحان لیا؟ ایک سوال کیا کہ اللہ تعالی کہاں ہے؟ آسمان پر (یوں اشارہ کرکے آسمان پر)، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا گواہی دیا؟

"أعتِقْها فإنّها مؤمنةٌ": فیصلہ آ گیا نا۔

اب فیصلہ کیا ہے اللہ تعالیٰ کہاں پر ہے؟ فیصلہ ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کہاں پر ہے؟ عرش پر ہے۔

آپ پوچھیں اکثر لوگوں سے (إلّا من رحم اللہ) کیا کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کہاں ہے؟ ہر جگہ موجود ہے۔

یہ کس کا فیصلہ ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فیصلہ تو نہیں ہے یہ؟! سب سے پہلے یہ فیصلہ جہم بن صفوان نے کیا ہے اس نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے (نعوذ باللہ)، اور جہمی عقیدہ اس وقت عام مسلمانوں میں عام ہے (نعوذ باللہ) اور شیطان کا دھوکا دیکھیں بہکاوا دیکھیں کہ کس طریقے سے مسلمانوں کو اس حقیقت سے اس عظیم پیغام سے دور کرکے اس جہم کی جہالت کی طرف جہل مرکب کی طرف لے کر گیا ہے اور کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے! اور پھر لوازمات باطلہ کہ یہ عرش پر ہے تو پھر سمت آئے گی جسم آئے گا یہ لازم وہ لازم!

کیا اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کمسن لڑکی سے ایک سوال بھی کیا ہے کہ کیوں آپ نے کہا آسمان پر ہے؟! تو اس سے سمت لازم نہیں آئے گی اس میں جسم لازم نہیں آتا کیوں تم نے یہ بات کی ہے؟!

عجب بات ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گواہی دیتے ہیں کہ یہ مومن ہے یہ مومنہ لڑکی ہے جس کا یہ عقیدہ ہے اور آج یہ کہتے ہیں کہ یہ وہابی ہیں یہ مجسمہ ہیں (إنا للہ وإنا إليه راجعون)۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فیصلہ آ گیا ہے "آمنا وصدقنا" جو نہیں مانتا واللہ! بڑے خطرے میں ہے:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝۶۵﴾:

اور تسلیم کا حق ادا کرنا چاہیے شک بھی نہیں ہونا چاہیے کہ ہو سکتا ہے کہ عرش اور فرش دونوں پر ہو؛ نہیں نہیں! مکمل تسلیم اور سینے میں تنگی نہیں ہونی چاہیے کہ یہ تو وہابیوں کا فیصلہ ہے نا، نہیں نہیں! سینے میں تنگی نہیں ہونی چاہیے: ﴿وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾۔

پھر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ﴾ (النساء:66)

(اور اگر ہم اُن پر لکھ دیتے (یعنی حکم کرتے))

﴿اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ﴾: کہ اپنی جانوں کو قتل کرواپنے آپ کو قتل کرو (کتنا سخت فیصلہ ہے! کتنا سخت حکم ہے اپنے نفس کو قتل کرنا حکم نہیں دیا اللہ تعالیٰ نے)۔ اگر ہم اُن پر لکھ دیتے یعنی اُن کو حکم دیتے کہ اپنے آپ کو قتل کرو: ﴿اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ﴾: یا اپنے گھروں سے باہر نکل جاؤ۔

﴿مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ﴾: تو یہ نہ کرتے سوائے چند ایک کے (بہت کم لوگوں کے)۔

بہت کم لوگ ایسا کرتے زیادہ لوگ یہ نہیں کر سکتے یعنی شریعت کے جو احکام ہیں اتنے مشکل ہیں! یہ جو فیصلہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے یہ قرآن اور سنت کے احکام جو ہیں آسان ہیں کہ مشکل ہیں مجھے بتائیں؟

اگر یہ حکم ہوتا کہ اپنے آپ کو قتل کر و یا گھروں سے نکل جاؤ یہ مشکل فیصلہ ہے کہ نہیں؟! مشکل حکم ہے کہ نہیں کیسے پیروی ہوتی؟! اس لیے فرمایا ہے کہ:

﴿مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ﴾: نہیں کرتے مگر کم (ایسے لوگ بھی ہیں جو کرتے ہیں)۔

کیسے کرتے کیسے ممکن ہے؟ کیا ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم آجائے اور رسول کا حکم آجائے قتل کرنے کا تو لوگ قتل کرتے ہیں اپنے آپ کو؟ ہاں کرتے لیکن بہت کم۔

اس کا معروف قصہ ہے صحیح بخاری میں کہ اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک سریہ جو ہے (جس میں ایسا لشکر تیار کرنا دشمن کے مقابلے میں جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود شامل نہ ہوں اسے سریہ کہتے ہیں، غزوہ کہتے ہیں جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود شامل ہوں) تو سریہ کا ایک امیر بنایا اور صحابہ کو حکم دیا کہ اس کی تم لوگوں نے پیروی کرنی ہے سمع وطاعۃ کرنی ہے، راستے میں کسی بات پر اَن بَن ہوئی تو امیر کو غصہ آیا اُس نے کہا کہ لکڑیاں جمع کرو، لکڑیاں جمع کیں اُس نے کہا کہ سب اُس میں کود مارو دو اپنے آپ کو؛ تو اس میں سب پریشان ہو گئے کہ کیا ہو گیا ہے؟! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم ہے کہ اس کی پیروی کرنی ہے تعمیل کرنی ہے حکم کی تو حدیث کے الفاظ ہیں کہ تیار ہو گئے کودنے کے لیے۔ دیکھیں ذرا کس کے لیے تیار ہو گئے؟! آگ میں کودنے کے لیے یعنی کیا؟! اپنے آپ کو قتل کرنے کے لیے۔

ایک جوان تھا وہاں پر اُن میں اس نے کہا ٹھہر و ذرا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو ہمیں اس آگ سے بچانے کے لیے آئے ہیں نا یہی پیغام ہے نا کہ بچنا ہے تو ایسا کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حکم دیتے ہیں پھر کود جائیں گے ہم۔

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور قصہ سنا دیا جی ایسا ایسا مسئلہ ہوا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر آپ کود جاتے تو کبھی نہ نکلتے: "إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِى الْمَعروفِ" (فرمانبرداری طاعت امیر کی معروف میں ہوتی ہے بھلائی میں ہوتی ہے (اس میں کیا بھلائی ہے جان دینے کے لیے؟!))۔

تو اس حدیث میں فائدہ کیا ہے؟ تیار ہو گئے تھے کہ نہیں جان دینے کے لیے؟

اس لیے کیا فرمایا؟ ﴿اِلَّا قَلِيْلٌ﴾: یہ نہیں فرمایا کہ ناممکن ہے، اگر اللہ تعالیٰ حکم دیتا لکھ دیتا قتل کرنے کا کہ اپنی جانوں کو قتل کر و یا گھروں سے نکل جاؤ تو: ﴿مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ﴾: نہیں کرتے مگر قلیل، اور قلیل میں سے یہ لوگ بھی تھے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک حکم پر جان دینے کے لیے تیار تھے۔

اب میدان جنگ میں دیکھیں جہاد میں دیکھیں کوئی صحابی پیچھے ہوتا تھا؟ ہمیشہ آگے کیوں ہوتے تھے؟ جانیں قربان ہو جاتیں اللہ تعالیٰ کے راستے میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے تو کرتے تھے۔

الغرض تو شریعت کے احکام اتنے آسان ہیں:

(۱) نمازیں پچاس میں سے پانچ ہو گئی ہیں آسان ہیں یا مشکل؟ آسان ہیں۔

(۲) روزوں میں بارہ مہینوں میں سے ایک مہینے کے روزے کہ گیارہ مہینے کھاؤ پیو ایک مہینہ اللہ تعالیٰ کے لیے روزے رکھو وہ بھی فجر سے لے کر مغرب تک آسان ہیں یا مشکل؟ آسان ہیں۔

(۳) زکوٰۃ مستطیع پر جو صاحب نصاب ہو نہیں تو فرض نہیں ہے۔

(۴) حج زندگی میں ایک مرتبہ مشکل ہے یا آسان ہے؟ آسان ہے۔

اتنا آسان دین ہے تمہارے لیے مشکل ہو گیا ہے! اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فیصلہ جو عدل وانصاف پر قائم ہے اس کو نہیں مانتے! اگر یہ تمہارے اوپر فرض کر دیا جاتا یا یہ تمہارے اوپر واجب کر دیا جاتا کہ اپنے نفس کو قتل کر و یا گھروں سے نکل جاؤ تو کر سکتے تم لوگ؟! کتنا مشکل ہوتا تم لوگوں کے لیے نہیں کرتے مگر کم لوگ۔ جب ہجرت کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے گھروں کو چھوڑا کہ نہیں چھوڑا چھوڑا ہے نا؟ مشکل تھا؟ مشکل تھا۔ اگر یہ حکم عام ہوتا اور سب کے لیے فرض ہوتا کہ تم نے اتنے عرصے کے بعد گھروں کو چھوڑنا ہے کتنا مشکل ہوتا؟! اب اللہ تعالیٰ نے آسانی کی ہے، دین اسلام کی اساس بنیاد جو ہے وہ تخفیف پر ہے آسانی پر ہے اور اگر کوئی مشکل آجاتی ہے تو مزید آسان ہو جاتا ہے۔

مسافر کے لیے پانچ نمازوں میں سے قصر ہو سکتی ہے کہ نہیں؟ جمع کیا جا سکتا ہے کہ نہیں؟ آسانی مزید ہے کہ نہیں؟

روزے دار ہے بیمار ہو گیا ہے لازمی ہے روزہ رکھے یا قضاء بعد میں کرے؟ قضاء بعد میں کرے۔

تو کتنی آسانی ہے دین میں! اللہ تعالیٰ چاہتا تو مشکل ہو جاتی اس لیے دین کو خود مشکل مت بناؤ۔

سورۃ البقرۃ میں بقرۃ کا قصہ دیکھیں یہودیوں نے کیا کام کیا؟ سختی کرتے گئے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے سختی اُن کے ساتھ یہ قاعدہ ہے، تو سختی مت کریں دین میں تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کے لیے سختی پیدا نہ کرے دین آسان ہے اور آسان دین پر عمل کریں تو ان شاءاللہ دنیا میں بھی آسانی ہوگی اور آخرت میں بھی آسانی ہوگی۔

اگلا پیغام:

﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا ﴿٦٦﴾ وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿٦٧﴾ وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿٦٨﴾﴾ (النساء:66-68)

یہ چار چیزیں یاد رکھیں ایک ساتھ میں نے پڑھ لی ہیں:

﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ﴾: پہلے مشکل تو کوئی حکم نہیں ہے اب جو اس میں آسانیاں ہیں اگر یہ لوگ وہ کرتے جس کی ان کو نصیحت کی گئی ﴿مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ﴾ تو کیا ملتا؟

اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت اور حکم کی تعمیل کرنے سے کیا ملتا ہے؟

اس میں فیصلہ قبول کرنا بھی ہے، اس میں فرمانبرداری اور اطاعت بھی ہے، اس میں وہ تمام چیزیں ہیں جس میں اگر خبر ہے تصدیق کرنی ہے اگر حکم ہے تعمیل کرنا ہے اور اگر منع کیا گیا ہے تو اس سے رُک جانا ہے۔

سب سے پہلے جو اللہ تعالیٰ عطا کرے:

﴿لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا﴾: تو یہ ان کے لیے بہتر ہوتا اور دین میں زیادہ ثابت رکھنے والا ہوتا۔

سب سے پہلے کیا ملے گا:

1- خیر ملے گا بھلائی ملے گی اور خیر یہاں پر نکرۃ ہے یعنی ہر خیر کو شامل ہے (دنیا کے خیر کو دین کے خیر کو آخرت کے خیر کو) تو دنیا میں خیر و برکت عام ہو جائے گی دین اور دنیا میں۔

2-اور ﴿وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا﴾: ثابت قدمی ملے گی دین میں۔

توفیق بھی اللہ تعالیٰ دے گا اور ثابت قدمی بھی اللہ تعالیٰ ہی دے گا یہ کس کے لیے ہے؟ جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فرمانبرداری کرتے ہیں اور فیصلے پر عمل کرتے ہیں۔

3- تیسرا: ﴿وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّاۤ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝٦٧﴾: اور اس صورت میں ہم انہیں اپنے پاس سے بڑا اُجر دیتے۔

﴿اَجْرًا عَظِيْمًا﴾: سب سے عظیم اُجر کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کی جنت سب سے عظیم اُجر ہے۔

4- تو یعنی جنت میں داخل کر دیتے یعنی آخرت میں دنیا میں کیا ہوتا؟ ﴿وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝٦٨﴾: اور ہم انہیں سیدھے راستے کی ہدایت دے دیتے۔

ہم کہتے ہیں نا: ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝٥﴾: (الفاتحہ:5) ہر نماز میں دعا کرتے ہیں، یہاں پر اللہ تعالیٰ نے پیغام دیا ہے کہ جو دعا کرتا ہے اس کے لیے آسان راستہ ہے تاکہ اس کی دعا قبول ہو صراط مستقیم پر اللہ تعالیٰ اسے گامزن کر دے۔

تو کیا طریقہ ہے؟ ﴿اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ﴾ (النساء:59): اطاعت، فرمانبرداری ہے اس کا حق ادا کرنا ہے اور فیصلے کی تعمیل کرنی ہے: ﴿وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾۔ کتنا کمال ہے کہ اگر آپ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلے کو قبول کر لیتے ہیں اور اطاعت کا حق ادا کرتے ہیں ﴿وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ کا حق ادا کرتے ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ خیر سے نواز دے گا دنیا میں اور ثابت قدمی بھی دے گا اللہ تعالیٰ۔

(۲) اور جنت سے بھی نوازے گا قیامت کے دن۔

(۳) اور ہدایت کے راستے پر بھی اللہ تعالیٰ توفیق دے دے گا۔

﴿وَّلَهَدَيْنٰهُمْ﴾: لام تاکید کے لیے ہے: " وَلَهَدَيْنٰهُمْ، لَّاٰتَيْنَاهُم ": یہ سب کیا ہے؟ تاکید کے لیے ہے تو یقیناً یقینی طور پر ہدایت بھی ہو گی صراط مستقیم کی طرف: ﴿وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا﴾۔

اتنا کافی ہے میں چاہتا تھا کہ اگلی آیت پر بات کروں لیکن اگلی آیت زیادہ حق رکھتی ہے کہ تھوڑا سا مزید اس میں تفصیل ہوا اور منہج السلف کی بات بھی آئے گی تو میں اس میں جلدی نہیں گزرنا چاہتا۔

ایک بات رہ گئی ہے اگلے درس میں مزید میں اس پر تفصیل سے بات کروں گا کہ اطاعت رسول فرض ہے یہیں سے آج کے درس کی ابتداء ہوئی "کہ اللہ تعالی نے کسی رسول کو نہیں بھیجا مگر اللہ تعالیٰ کی اجازت سے"؛ رسول کی اطاعت فرض ہے کیسے کی جاتی ہے ﴿اَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ﴾ میں کیا چیز شامل ہے اگلے درس میں ان شاءاللہ یہاں سے شروع کریں گے۔

واجب بھی نوٹ کرلیں کہ اطاعت رسول کیسے ہوتی ہے؟ میں نے پانچ بیان کی تھیں سات تک مزید دو چیزیں سرچ کر کے بتائیں کہ کم سے کم سات چیزیں ہونی چاہیئں جس سے اطاعت رسول کا حق ادا ہوتا ہو، ﴿وَاَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ﴾: کم سے کم سات چیزیں ہونی چاہیئں جس سے اطاعت رسول کا حق ادا ہوتا ہو۔

کم سے سات پانچ بھی چلے گا پانچ تو آپ کو ویسے ہی مل جائے گا پمفلٹ میں مل جائے گا آپ کو اگر اور بھی اس میں ایڈ کرلیں تو ان شاءاللہ سب کے لیے آسانی بھی ہو گی اور علم میں بھی اضافہ ہو گا (واللہ أعلم)۔

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ

mp3 Audio

یہ رسالہ ڈاکٹر مرتضی بن بخش (حفظہ اللہ) کے آڈیو درس 004-13: سورۃالنساء کی مختصر تفسیر (آیات:64-68) سے لیا گیا ہے۔ سبق لسانی اور تعبیر کی غلطی کو درست کر دیا گیا ہے۔ قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اگر کوئی اور غلطی نظر آئے تو ضرور آگاہ کریں اور اس خیر کے کام میں شامل ہو جائیں۔